بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

لمعات

روزوں کا مقصد

(بارہا گفتہ ام و بارِ دگر می گویم)

پرویز

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (۲/۱۸۳) "اے جماعتِ مومنین! تم پر صیام فرض قرار دیئے گئے ہیں۔" یہ "کتاب" یعنی حکم ہے۔ اس کی غایات کے متعلق کہا۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (۲/۱۸۳) لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (۲/۱۸۵) اور وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ۔ (۲/۱۸۵)

تَتَّقُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ تم میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے لئے پختگی پیدا ہو جائے اور تم غلط راہوں پر چلنے کے نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ۔ تَشْکُرُوْنَ سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔ میں ان دو غایات کے متعلق سرِدست تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قرآن کریم نے جو غایت الغایات بتائی ہے اس پر مرکوز رہوں گا۔ اور وہ غایۃ الغایات یہ ہے کہ تم خدا کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے سے اس قابل ہو جاؤ گے کہ دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کر سکو۔ یہ ہے روزوں کے متعلق حکمِ خداوندی کا مقصود و منتہیٰ۔ یعنی خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جانا۔

لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ

سب سے پہلے لفظ "کبریائی" کو لیجئے۔ اس کے معنی حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ، فرعون کے پاس گئے اور اس تک خدا کا پیغام پہنچایا تو اہلِ فرعون نے کہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ہم اس کی غرض و غایت کو خوب پہچانتے ہیں یعنی یہ کہ تَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ (۱۰/۷۸) "تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت تمہاری قائم ہو جائے۔ اقتدار تمہارے ہاتھ میں آ جائے"۔ اس سے لفظ "کبریائی" کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

—— (٥) ——

جہاں تک خارجی کائنات کا تعلق ہے اس میں خدا کا اقتدار اور اس کی حکمرانی براہِ راست قائم ہے۔ تمام کارگہِ کائنات اسی کے قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے اور اس میں کسی شے کو مجالِ انحراف نہیں۔

یا دائے سرکشی نہیں: وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۴۵/۳۷) "کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کبریائی خدا کی ہے۔ وہ زبردست غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ مستبد حکمرانوں کا غلبہ نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔" دوسری جگہ ہے: وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ۔ (۴۳/۸۴) "وہی آسمانوں میں بھی صاحب اقتدار ہے اور وہی ارض پر بھی صاحب اقتدار۔" (اِلٰہ کے معنی صاحب اقتدار کے ہیں)۔

خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار از خود قائم ہے۔ لیکن اس کی مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس کی کبریائی از خود نہیں بلکہ انسانوں کے ہاتھوں قائم ہو۔ اسی مقصد کے لئے رسول بھیجے جاتے تھے اور رسول کے بعد اس کی ذمہ داری اس کی اُمت پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ جب نبی اکرمؐ کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ "اے وہ کہ جس کی آمد سے خزاں دیدہ گلشنِ کائنات بہارِ نو کا مظہر بن جائے گا۔ (المدثر کے یہی معنی ہیں)۔ قُمْ فَأَنذِرْ۔ "اُٹھ اور نوعِ انسان کو اُن کے اپنے وضع کردہ نظام لائے حیات کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر دے"۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۷۴/۱-۲)۔ "اور ان نظاموں کی جگہ اس نظام کو قائم کر جس میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہو"۔ —— یہ تھا منصب رسالت۔

دوسرے مقام پر اسی حقیقت کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل بڑی وسعت چاہتی ہے۔ لیکن میں ان میں سے صرف دو ٹکڑوں کو نمایاں طور پر سامنے لاؤں گا۔ وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ۔ "حکومت صرف اسی کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔" اور اس سے آگے ہے، وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا۔ (۱۷/۱۱۱) "لہٰذا تم اس کی کبریائی قائم کرو"۔ اسی اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو ایک جگہ اَلْمُتَكَبِّرُ (۵۹/۲۳) کہا ہے۔ کہیں اَلْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ (۱۳/۹) اور کہیں اَلْعَلِيُّ الْكَبِيرُ۔ (۲۲/۶۲) ہماری دنیا میں وہ اَلْعَلِيُّ الْكَبِيرُ۔ کیسے قرار پاتا ہے اس کی وضاحت اس نے یہ کہہ کر کر دی کہ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ (۴۰/۱۲) تمہاری دنیا میں حکم صرف اس خدا کا چلنا چاہیئے جو ہر قسم کے غلبہ اور کبریائی کا مالک ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نہ تو ہمارے سامنے آتا ہے۔ نہ وہ تختِ حکومت پر بیٹھتا ہے۔ نہ ہم اس کی آواز سنتے ہیں۔ تو ہمارے معاشرے میں اس کی حکومت کیسے قائم ہوگی؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ —— اس نے ہماری طرف اپنا ضابطہ احکام بھیج دیا ہے۔ جو حکومت اس ضابطہ کے مطابق قائم ہوگی اُسے خدا کی حکومت سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (۵/۴۴)

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان ہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

—— (۰) ——

لیکن خدا کی یہ کبریائی یونہی بیٹھے بٹھائے، وعظ و نصیحت یا تقاریر و خطابات سے قائم نہیں ہو جاتی۔

جب اس کا مقصد دنیا کے ہر نظام کو اُلٹ کر اُس کی جگہ نظامِ خداوندی کو متمکن کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر حکومت کی طرف سے اس کی مخالفت ہوگی اور ہر مفاد پرست گروہ اس کی مزاحمت کرے گا۔ ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لئے میدانِ جنگ تک بھی جانا پڑے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں جماعتِ مومنین کی ان جنگوں کی غایت یہ بتائی گئی ہے۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ (9/40)۔

اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی نظام مغلوب ہو جائے اور خدا کا نظام جسے غالب ہونے کا حق حاصل ہے، علیٰ مستلط ہو جائے۔

اس سے چند ہی آیات پہلے کہا گیا ہے:۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (9/33)۔

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا تاکہ یہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آجائے۔ خواہ یہ تبدیلی ان لوگوں پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے جو خالص حکومتِ خداوندی قائم نہیں کرنا چاہتے۔

یہاں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس نے رسول کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ لیکن دیگر مقامات پر اس کی وضاحت کر دی کہ نظامِ خداوندی کا قیام تنہا رسول کے ہاتھوں سے عمل میں نہیں آسکے گا۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کی معاونت و رفاقت بھی ضروری ہوگی۔ یعنی یہ فریضہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (48/29) کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے الاعلیٰ اپنے آپ کو کہا تھا۔ لیکن جس جماعتِ مومنین کے ہاتھوں اس کی کبریائی دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ اس نے انہیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3/138)۔ "اگر تم مومن ہو اور مومن رہو گے تو دنیا میں تم ہی سب پر غالب رہو گے"۔ تمہارا قائم کردہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آجائے گا۔ اس غلبہ و تسلط کے لئے قرآن کریم نے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط عائد کر دی ہے۔ "یعنی اگر تم مومن ہوئے تو"۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟ اس کے لئے قرآن نے خود یہ واضح کر دیا کہ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ مومن نہیں کافر ہیں۔ لہٰذا مومن وہ ہیں جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں۔ اور اس کی محسوس نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر قوم پر غالب رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (4/141)

خدا کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا کہ غیر خداوندی نظام کی حامل قوم کو جماعتِ مومنین پر غالب آنے دے۔

لہٰذا یہ متعین کرنا بالکل آسان ہو گیا کہ ہم مؤمن ہیں یا نہیں؟

یہاں ایک عظیم نکتہ سامنے آتا ہے۔ خدا مؤمنین سے کہتا ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ لیکن مؤمن اس کی عطا کردہ اس سرفرازی کے جذبۂ تشکر کے احساس سے بے ساختہ اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے اور انتہائی انکساری اور خاکساری کے عالم میں کہتا ہے کہ اَلْاَعْلٰی میں نہیں۔ سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ــــ اَلْاَعْلٰی کے شایانِ شان صرف تیری ذات ہے۔ یہ تو تیری عاجز نوازیاں ہیں، جو ہمیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ علوِ مرتبت ہماری ذاتی نہیں، تیری عطا فرمودہ ہے۔ اگر ہمارا سر تیرے سامنے نہیں جھکتا تو یہ ساری کبریائی جو ہمیں حاصل ہوئی ہے فرعون کی خیرہ نسبت ہے، مؤمن کی علو شان نہیں۔ اسی بنا پر قرآن کریم نے حق پہ مبنی کبریائی اور باطل پر مبنی کبریائی میں فرق کر کے بتا دیا جب کہا:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (۷/۱۴۶)

جو لوگ الحق کے بغیر زمین میں غلبہ اور کبریائی حاصل کر لیتے ہیں، ہم اپنے قوانین کی رو سے انہیں اس مقام سے ہٹا دیں گے۔ اور ان کی جگہ وہ قوم لے لے گی جس کی کبریائی الحق پر مبنی ہوگی۔

ــــــــ (۰) ــــــــ

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ روزوں کی غرض و غایت اور مقصود و منتہیٰ کیا تھا؟ ان کا مقصد جماعتِ مؤمنین کو اس کے لئے تیار کرنا تھا کہ وہ دنیا میں خدا کی کبریائی متمکن کر سکیں۔ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ صدرِ اوّل کی جماعتِ مؤمنین تیرہ برس تک مکہ کی زندگی گذارنے کے بعد مدینہ میں آئی تاکہ یہاں کی نسبتاً مساعد فضا میں نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھ دی جائے، لیکن مخالفین نے انہیں یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ تھا وہ مقام جب پہلی مرتبہ (سنہ ۲ ھ میں) روزے فرض ہوتے، اور ابھی سترہ دن کے روزے ہی رکھے گئے تھے کہ انہیں بدر کے میدان میں اترنا پڑا اور وہاں ان روزہ داروں نے خدا کی کبریائی کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ آپ نے غور فرمایا کہ روزوں کی غایت کیا تھی؟ ــــ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ خدا کے پروگرام کے مطابق ملک میں اس کی کبریائی قائم کرنا۔ اس زمانے میں مستقل فوج (STANDING ARMY) ہنوز وجود میں نہیں آئی تھی۔ قرآنِ مجید نے تمام مؤمنین کو مجاہدین (فوج کے سپاہی) قرار دیا تھا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ جس طرح آجکل مستقل فوج سے الگ ــــ (RESERVISTS) ہوتے ہیں۔ وہ اپنا کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن انہیں سال میں ایک آدھ ماہ کے لئے بلا لیا جاتا ہے تاکہ وہ فوجی ٹریننگ کی تجدید کر لیں اور بوقتِ ضرورت فوج کے ہمدوش میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہوں۔ خدا کی کبریائی کا تمکن مؤمن مجاہدین کا فریضہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ انہیں سپاہیانہ زندگی کا خوگر بنانے کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ سے جب سوال کیا گیا کہ مؤمن کی زندگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ میدانِ جنگ میں ہو اور جب جنگ نہ ہو رہی ہو تو وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو۔

آپ نے دیکھا کہ مؤمن کی زندگی کا مقصود و منتہیٰ دنیا میں خدا کی کبریائی کو متمکن کرنا ہے اور یہی مقصد روزوں

کا بنایا گیا ہے۔ اس کے لئے رمضان کے مہینے کی تخصیص کیوں کی گئی، اسے خود خدا نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ (۲/۱۸۵) "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی"۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے لئے نعمتِ عظمیٰ قرار دیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ تم اس عظیم متاع کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔ (۱۰/۵۸)۔

اے رسول! ان سے کہہ دو کہ تمہیں یہ متاعِ گراں بہا بلا مزد و معاوضہ مل گئی ہے۔ اس کے ملنے پر تم جشن مناؤ۔ تم جو کچھ بھی دنیا میں جمع کرو، یہ اس سے زیادہ گراں قدر ہے۔

لہٰذا، جسے عید الفطر کہا جاتا ہے وہ درحقیقت جشنِ نزولِ قرآن ہے۔ قرآن، خدا کی کبریائی کا ضابطۂ ہدایت ہے اور رمضان کے مہینے کے روزے مجاہدین کو خدا کی کبریائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کا پروگرام۔ اس پروگرام کے بخیر و خوبی انجام پانے پر جشنِ مسرت بالکل فطری عمل ہے۔

یہ تھا دین میں روزوں کا مقصد۔ یعنی لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ تاکہ زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے۔ لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا تو قرآن کریم کے یہ الفاظ تو باقی رہ گئے لیکن ان کی غرض و غایت بالکل بدل گئی۔ آپ قرآن کریم کا کوئی سا باترجمہ نسخہ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ان آیات کا ترجمہ ان الفاظ میں ملے گا۔ "تاکہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو"۔ یعنی دین میں ان الفاظ کا مفہوم، خدا کی کبریائی قائم کرنا تھا۔ مذہب میں ان کا مطلب خدا کی بڑائی بیان کرنا رہ گیا۔ کبریائی قائم کرنے اور بڑائی بیان کرنے میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اس "بڑائی بیان کرنے" کے حکم کی اطاعت کے متعلق کہا گیا کہ نمازِ عید میں جو چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں، ان سے اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اذان۔ نماز اور عیدین کی تکبیریں اپنی اپنی جگہ بجا اور درست، لیکن یہ تکبیریں ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ، یا ایک واقعہ کا اعلان تھیں یعنی اس واقعہ کا اعلان کہ یہاں خدا کی کبریائی قائم ہے۔ اس حقیقت کے وقوع پذیر ہوئے بغیر، اس قسم کے اعلانات صرف چند الفاظ کا اعادہ ہیں۔ حقیقت اور اس کی رسمی ادائیگی کا یہی وہ فرق تھا جس کے احساس سے اقبالؒ کے دردمند دل نے باصد آہ و فغاں کہا تھا کہ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن　　ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور!
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یہ مجاہد کی اذان تھی جو دن میں متعدد بار چھت اور مینارہ پر کھڑے ہو کر، دنیا میں اعلان کرتی تھی کہ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ

کبریائی صرف خدا کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے بعد وہ اعلان کرتا تھا کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

میرا یہ اعلان اس حقیقت کی شہادت دینا ہے کہ خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اس اعلان میں یہ نہیں کہا گیا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں یا اعلان کرتا ہوں۔ کہا یہ گیا کہ میں اس حقیقت کی "شہادت دیتا ہوں"۔ شہادت اسی کی قابلِ قبول ہوتی ہے جسے اس بات کا ذاتی طور پر علم ہو۔ جو اس کا عینی شاہد ہو۔ اگر کوئی شخص عدالت میں جا کر یہ کہے کہ مجھے اس واقعہ کا ذاتی طور پر تو علم نہیں، میرا خیال یہ ہے۔ یا میں نے ایسا سُنا ہے تو اس کی شہادت کا قابلِ قبول ہونا تو درکنار اسے درخورِ سماعت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا، اشھد ان لا الٰہ اسی کا قابلِ قبول ہوگا جو یہ کہے کہ میں اس کا گواہ ہوں کہ یہاں خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ یہاں خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ یہاں حکمرانی صرف خدا کی ہے۔ جو اس حقیقت کا شاہد نہیں اُسے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے کا حق حاصل نہیں۔ یہی وہ شہادت ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ "خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں ہے"۔ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ "اور ملائکہ جو اس کے اس اقتدار کو بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں"۔ انہیں بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ بھی اس کی شہادت دیں، کیونکہ وہ اس کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے بعد ہے وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ "ان کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کی شہادت دے سکتے ہیں جنہیں اس کا علم بھی حاصل ہے اور پھر وہ ایسا نظام متشکل کئے ہوئے ہیں جس میں خدا کی میزانِ عدل قائم ہے"۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (۳/۱۸) "خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں اور اس کا اقتدار تنہا قوت پر نہیں، بلکہ قوت کے ساتھ حکمت پر مبنی ہے"۔

آپ نے غور فرمایا کہ ——— قرآنِ کریم کی رو سے اللہ اکبر کہہ کر کا حق کیسے حاصل ہے ؛ رمضان کے روزے جماعتِ مومنین کو اس قابل بنا دینے کے لئے تھے کہ وہ ملک میں خدا کی کبریائی قائم کریں اور پھر ساری دنیا کے سامنے اس کی شہادت دے سکیں۔

یہ ہے عزیزانِ من، میری قرآنی بصیرت کے مطابق صیام کی غرض و غایت اور رمضان کا مقصود و منتہیٰ۔

والسلام

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

——— (٠) ———

(یہ ہوتا ہے انداز محترم پرویز صاحب کے درسِ قرآن کا۔ یہ درس ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ لاہور، میں ہر جمعہ کی صبح بالمشافہ ہوتا ہے، اور مختلف شہروں کی بزم ہائے طلوعِ اسلام کے زیرِ اہتمام "ٹیپ ریکارڈ" ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر حسبِ فرمائش، ان درسوں کے ٹیپ (CASSETTES) بھی مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ (ناظم ادارہ طلوعِ اسلام لاہور)۔

——— (٠) ———